شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

زیرِ سرپرستی: حضرت اقدس مولانا
شاہ سعید احمد
رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ
مسند نشین سلسلہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

اکتوبر 2009ء / شوال، ذی قعدہ ۱۴۳۰ھ   رجسٹرڈ نمبر R-123   جلد نمبر 1   شمارہ نمبر 7, 8

مجلس ادارت

صدرِ مجلس: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
مدیرِ اعلیٰ: مفتی عبدالخالق آزاد
مدیر: محمد عباس شاد

مجلس مشاورت

حضرت مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی	(بورے والا)
حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر	(چشتیاں)
حضرت مولانا مفتی عبدالغنی قاسمی	(لاہور)
حضرت مولانا محمد مختار حسن	(نوشہرہ)
حضرت مولانا پروفیسر حسین احمد علوی	(چشتیاں)
حضرت مولانا صاحبزادہ رشید احمد	(ڈیرہ اسماعیل خاں)
محترم محمد اسلوب قریشی	(لاہور)
محترم سید مطلوب علی زیدی	(لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد اشرف عاطف	(سعودی عرب)
محترم سید اصغر علی شاہ بخاری	(پیر جو گوٹھ)
محترم ڈاکٹر لیاقت علی شاہ معصومی	(سکھر)
محترم سید سیف الاسلام خالد	(راولپنڈی)
محترم ڈاکٹر عبدالرحمٰن راؤ	(سرگودھا)
محترم انجینئر آفتاب احمد عباسی	(کراچی)
حضرت مولانا قاری تاج افسر	(اسلام آباد)
حضرت مولانا محمد ناصر عبدالعزیز	(جھنگ)
حضرت مولانا قاضی محمد یوسف	(حسن ابدال)
حضرت مولانا عبداللہ عابد سندھی	(شکار پور)

ترتیب عنوانات (سلسلہ نمبر ۱۰)

1	درسِ قرآن	تشریح: خواجہ عبدالحئ فاروقی	2
2	درسِ حدیث	ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن	2
3	اداریہ	مدیر اعلیٰ	3
4	خطبہ جمعۃ المبارک	مفتی عبدالخالق آزاد	4
5	خطاب حضرت اقدس رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ		6
6	حضرت اقدس رائے پوری کا دورۂ مری اور راولپنڈی		8

ماہنامہ ''رحیمیہ'' کی ممبرشپ

قیمت فی شمارہ: مبلغ 10 روپے   سالانہ ممبرشپ فیس: مبلغ 150 روپے

سالانہ ممبرشپ کے لئے ترسیل زر کا پتہ: ''ناظم دفتر ماہنامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ، لاہور''۔ تمام ممبران کو رسالہ براہ راست ڈاک کے ذریعہ سے ارسال کیا جاتا ہے، اس لئے اپنا پتہ صاف اور خوشخط لکھ کر بھیجیں۔ ماہنامہ ''رحیمیہ'' ہر مہینہ کی 3 اور 4 تاریخ کو سپرد ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں مہینہ کی 10 تاریخ کے بعد رابطہ کریں۔

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے
اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ، لاہور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ، لاہور سے شائع کیا۔

شعبہ مطبوعات
ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

برائے رابطہ
رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
فون: 0092-42-36307714/36369089
Web:www.rahimia.org

www.rahimia.org

درسِ قرآن

مسلمان جماعت کی ذمہ داریاں

تشریح: خواجہ عبدالحیٔ فاروقی ؒ

کُنتم خیر امة اُخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنهون عن المنکر و تؤمنون باللہ ط ولو امن اهل الکتاب لکان خیراً لهم ط منهم المؤمنون و اکثرهم الفاسقون٥(٣:١١٠)

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی، تم نیک کام کا حکم دیتے ہو، اور بُرے کام سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو، اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو یقیناً ان کے لئے اچھا ہوتا، ان میں بعض تو ایمان دار ہیں، لیکن اکثر فاسق ہیں''۔

دنیا میں آج تک صدہا انبیاء و رسل مبعوث ہوئے، ان کی اُمتوں نے اشاعت مذہب کا فرض بھی ادا کیا، مگر ان سب کا دائرہ عمل محدود تھا، ان سب میں اعلیٰ ترین درجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نوازش کیا گیا کہ آپ کا روئے سخن تمام اقوام عالم کی طرف ہے، پھر آپ کو سب سے پہلے وہ قوم دی گئی جو دنیا میں ذلیل ترین خیال کی جاتی تھی، مگر آپ کے نفسِ قدسی نے اس بدترین سمجھی جانے والی سرزمین میں سے مہاجرین و انصار پر مشتمل بہترین جماعت تیار کردی، جو سب قوموں پر سبقت لے گئی، اور اقوام عالم، میزانِ اخلاق و ایمان میں ان کے پاسنگ بھی نہ ہو سکے، اب جو لوگ بھی ان صحابہ کرام کے نقش قدم پر چل کر وہی فرائض ادا کریں گے: **والذین اتبعوهم باحسان** جنہوں نے ان کا نیک نیتی کے ساتھ اتباع کیا، وہ بھی ''**خیر امة**'' (بہترین امت) کے معزز ترین لقب سے سرفراز کئے جائیں گے، گویا **خیــــر امة** میں تمام دنیا کے مسلمان شامل ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ ان فرائض کو ادا کریں جنہیں صحابۂ کرامؓ کی عظیم الشان جماعت سرانجام دیتی رہی۔

اس خیر کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا وجود صرف اس لئے ہے کہ وہ نوع انسانی کی رُشد و فلاح، خیر و برکت اور ہدایت و سعادت کے لئے سعی و کوشش کریں، ان کی تخلیق کا اس کے سوا اور کوئی مقصد نہیں کہ وہ ہر نیکی کے قائم کرنے والے، اور بُرائی کے کرۂ ارضی سے دور کرنے والے ہیں، ایک فرزندِ اسلام ہی وہ ذمہ دار ہستی ہے جو ''**شهداء علی الناس**'' (انسانیت پر نگران مقرر کئے جانے) کے درجہ پر فائز کی گئی ہے، اور اسی کا یہ کام ہے کہ دنیا میں نیکی کی بادشاہت اور حکومت قائم کرے، اور بدی کو جڑ سے اُکھاڑ دے: **الذین ان مکناهم فی الارض اقاموا الصلوٰة و آتوا الزکوٰة و امروا بالمعروف و نهوا عن المنکر،** (٢٢:٤١) یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز پڑھیں، اور زکوٰۃ ادا کریں، اور نیک کام کرنے کا حکم دیں، یعنی اس کا نظام قائم کریں۔ اور بُرے کاموں سے منع کریں، یعنی غلط نظام کو توڑیں۔ مسند امام احمدؒ میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا: **ایّ الناس خیر؟** بہترین انسان کون ہے؟ آپ نے فرمایا: **خیر الناس اقراهم واتقاهم للہ وامرهم بالمعروف وانهاهم عن المنکر واوصلهم للرحم،** وہ جو سب سے زیادہ قرآن جاننے والا، خدا سے ڈر رکھنے والا، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والا، اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والا ہے۔ ترمذی میں ہے: **انتم توفون سبعین امة انتم خیرها و اکرمها،** ستر امتوں میں سے تم ہی بہترین و اعلیٰ ترین ہو، مسند امام احمدؒ میں ہے، رسول اللہ نے فرمایا: **اعطیت مالم یعط احد من الانبیاء،** مجھے وہ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے قبل کسی نبی کو نہیں دی گئیں، صحابہؓ نے سوال کیا وہ کونسی ہیں، تو آپ نے من جملہ اور خصوصیات کے ایک یہ فرمایا: **وجعلت امتی خیر الامم،** میری اُمت کو بہترین کیا گیا۔

اب اگر مسلمانوں کو **خیر الامم** کہا گیا ہے تو اس کا منشا اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ انسانیت کو نفع پہنچانے کے لئے پیکرِ تبلیغِ حق و مجسمۂ دعوت اسلام ہوں گے۔

درسِ حدیث | تشریح: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

دین میں آسانی

عن سعید بن ابی سعید المقبری، عن ابی هریرة عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: ان الدین یسر و لن یشاد الدین احد الا غلبه فسددوا و قاربوا و ابشروا و استعینوا بالغدوة والروحة و شی من الدلجة. **(رواه البخاری)**

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک دین آسان ہے اور دین میں کوئی سختی کرے گا، تو دین اس پر غالب آجائے گا، اس لئے میانہ روی اختیار کرو، اور (افضل کام نہ کر سکو تو اس کے) نزدیک رہو اور ثواب کی اُمید رکھ کر خوش رہو اور صبح و شام میں طاعت و عبادات سے مدد حاصل کرو، اور رات میں کچھ عبادت سے مدد لو''۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ دین آسان ہے اور جو شخص یہ ارادہ کرے کہ ہر وقت دین کے کام میں ''عزیمت'' ہی پر عمل کرے، اور ''رخصت'' پر عمل نہیں کرے گا، تو اس کا نبھانا ممکن نہیں اور یوں وہ دین کے سامنے مغلوب ہو جائے گا۔

دین کے کچھ اعمال ایسے ہیں، جن کا بہر صورت بجالانا ضروری ہے، انہیں ''عزیمت'' کہا جاتا ہے، اور دیگر اعمال ایسے ہیں، جن میں انسان کو درپیش حالات کے مطابق ردّ و بدل ہوتا رہتا ہے، انہیں ''رخصت'' کہا جاتا ہے، چونکہ دین سے دونوں کا تعلق ہے، لہٰذا تقاضائے عبدیت یہ ہے کہ اپنے اپنے مواقع کے مطابق دونوں پر عمل کیا جائے۔

جس طرح ہر موقع پر ''رخصت'' کا متلاشی رہنا موقع پرستی ہے کہ اس طرح دین نفسانی خواہشات کا مجموعہ بن جائے گا، اسی طرح ہر موقع پر تمنائے عزیمت بھی حد سے تجاوز اور جمود و انتہاء پسندی کی علامت ہے اور اس صورت میں دین سے جو زور آزمائی ہوگی، اس میں اپنی ہی شکست ہے، کیوں کہ نظریاتی اور عملی انتہا پسندی دین کو معاشرے کے عملی تقاضوں سے دور کرنے کا سبب بنتی ہے، اسی لئے آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ میانہ روی اختیار کی جائے، اور یہ کہ کسی کامل چیز پر عمل کرنے کی طاقت نہ ہو، تو اس سے کم اور اس سے قریب کو اختیار کیا جائے اور بشارت حاصل کی جائے کہ بعض اعمال پر بشارت کے تذکرہ میں اجر و ثواب کا تعین کیا گیا ہے اور بعض کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے از خود مخفی رکھا ہے، نیز فرمایا کہ صبح و شام اور آخر شب کے اوقات میں اپنی طاعت و عبادت اور دوسرے کاموں میں مدد حاصل کرو کہ ان اوقات میں ''ملأ اعلیٰ'' کی خصوصی توجہات ہوتی ہیں اور شب و روز میں یہی اوقات فرحت و نشاط کے ہیں اور انہی میں نمازیں فرض ہیں۔ ''**غدوة**'' (صبح) میں نماز فجر، ''**روحة**'' (شام) میں نماز ظہر اور نماز عصر، اور ''**دلجة**'' (اندھیرا) میں نماز مغرب و عشاء آجاتے ہیں۔

گزشتہ ادیان کے مقابلہ میں دین اسلام بہت ہی آسان ہے، کہ احکام کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ایسا ہے کہ جہاں گزشتہ ادیان کے مقابلہ میں دین اسلام نے بہت سی آسانیاں پیدا کردیں، گویا دین اسلام ایک متوازن راہ عمل اپنانے کی دعوت دیتا ہے، نیز اللہ تعالیٰ کے انعامات کا سلسلہ اس کی طرف سے بندوں پر عائد کردہ عبادات کے سلسلہ سے کہیں زیادہ پھیلا ہوا ہے، اسی بنا پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: **احب الدین الی اللہ الحنیفیة السمحة** یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین دین، دینِ حنیف ہے، جس کی بنیاد سماحت و سہولت پر قائم ہے، یعنی تمام ادیان اللہ کی طرف سے ہیں، اور اس کے محبوب ہیں، مگر محبوب ترین دین اسلام ہے۔ کہ اس کے احکام معتدل اور سہل ہیں، گویا دین میں شدت برتنا اور عبادات و نوافل میں حد سے بڑھ جانا کہ معمول کے مطابق برداشت سے باہر ہو یا دیگر اجتماعی کاموں میں خلل انداز ہو، اللہ کو پسند نہیں۔ اعمال کی ادائیگی میں جسمانی استطاعت اور معروضی حالات کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔

www.rahnuma.org

قومی سطح پر خود احتسابی کی اہمیت اور اس کے تقاضے

62 سال کا طویل عرصہ گزر چکا ہے کہ ہمارا ملک بحرانوں سے دو چار ہے۔ قومی سطح پر مسائل کا ایک انبار ہے، جو ملک و قوم کے لئے انتہائی پیچیدگی، اور گوناگوں امراض و عوارض کا سبب بنا ہوا ہے۔ آج سماجی سطح پر دیکھیں تو ہم فرقہ واریت، باہمی نفرت، تشدد اور قتل و غارت گری ایسے تباہ کن مسائل کا شکار ہیں۔ سیاسی جماعتوں کا مشاہدہ کیا جائے، تو وہ گروہیت کی حامل، شخصیات کے گرد گھومنے والی، جماعتی کردار سے نا آشنا، کسی نظریہ اور اصول کی پاسداری کے بغیر اپنے بانی کے خاندانی تقاضوں کو پورا کرنے والی نظر آتی ہیں۔ اور ملک کے قومی اداروں کی حالت کا جائزہ لیا جائے، تو صاف نظر آتا ہے کہ ہمارے ادارے ٹوٹ پھوٹ کا شکار، اپنی ادارتی شناخت سے محروم، اپنے وجود کے بنیادی تقاضوں سے غافل، قابض شخصیات کے تحفظ کے ضامن، جمود اور تنگ نظری کا عنوان اور گروہی مفادات کے اسیر بن کر رہ گئے ہیں۔ اور ملکی معاشی صورتحال کو دیکھا جائے تو اقتصادی حوالہ سے مسلسل تنزل، قرضوں کے بوجھ میں اضافہ، بھوک و افلاس کا تسلط، پیداواری عمل مفقود اور معاشی ادارے مخصوص مفادات کے حامل لوگوں کے ذاتی اور طبقاتی کردار کے آلہ کار بن کر رہ گئے ہیں۔ اور طرفہ تماشہ یہ کہ ہر ادارہ، ہر جماعت اور ہر گروہ ایک دوسرے سے متصادم اور باہمی ٹکراؤ کی حالت میں ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ قومی سطح پر یہ امراض ہمارے جسد خاکی میں کب سے داخل ہو گئے، کیوں کہ صوفیاء کرام اور اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین کی حامل برصغیر پاک و ہند کی یہ دھرتی تو دو ڈھائی سو سال پہلے تک رواداری، فرقہ وارانہ ہم آہنگی، باہمی برداشت پر مبنی اقدار، امن و امان، معاشی خوشحالی، مستحکم جماعتوں کے وجود پر قائم ایک آزاد اور زندہ معاشرے کی حیثیت میں اپنی ممتاز شناخت رکھتی تھی۔ یہ دھرتی ان اولیاء اللہ کی انسانیت دوست تعلیمات کا گہوارہ تھی، جہاں حضرت داتا گنج بخشؒ کا فیض، خواجہ معین الدین اجمیریؒ کی غریب نوازی، بابا فرید گنج شکرؒ کا وجود مسعود، حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کا انسان دوست کردار، سید آدم بنوریؒ کا سوز دل، سید علی ہمدانیؒ کی عظیم الشان جدو جہد، مخدوم معین الدین ٹھٹھویؒ اور شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کا باہمی محبت کا نغمہ، خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا چہار سو پھیلا ہوا انسانیت کا درس، بڑا عام تھا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تجدیدی اقدار، امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا انسانیت دوست فکر و فلسفہ، اس دھرتی کی بنیادی اقدار کی نمائندگی کرتا تھا۔ اس دھرتی کے ان معزز بزرگانِ دین کی قائم کردہ روایات اور اقدار یکا یک پامال کیسے ہو گئیں، اور یہاں کے باسی ان مثبت اقدار کو چھوڑ کر باہمی نفرت، جنگ و جدل اور تشدد و غارت گری اور فرقہ واریت کے خوگر کیسے بن گئے، اس سوال کا جواب حاصل کرنا، یوں بھی اہمیت اختیار کر گیا ہے کہ قومیں اپنی دھرتی سے پھوٹنے والی اقدار اور روایات پر اپنا آئینی و قانونی، سیاسی و معاشی اور ادارتی نظام قائم کیا کرتی ہیں، آخر ہم اپنا نظام بناتے اور چلاتے ہوئے اپنی دھرتی کی بنیادی اقدار اور روایات کے دشمن کیوں ہو گئے، اس کے اسباب جاننا ہمارے لئے انتہائی ضروری ہو گیا ہے۔

اس کے لئے سب سے پہلے اپنے اندر جھانکنا ہوگا، اپنا تحلیل و تجزیہ کرنا ہوگا، اور قومی سطح پر اپنے دو ڈھائی سو سالہ کردار کا خود احتسابی پر مبنی تنقیدی جائزہ لینا ہوگا۔ اور سنجیدگی کے ساتھ اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرنا ہوگی کہ مثبت اقدار و اخلاق سے منفی رویوں تک کا سفر ہم نے کیوں کر طے کیا، یہ بات طے شدہ ہے کہ ابھی 62 سال پہلے تقریباً دو سو سال کا عرصہ گزرا کہ ہمارا معاشرہ غلامی کی لعنت میں گرفتار رہا ہے، سات سمندر پار سے آنے والی قوم، جس کا ہماری دھرتی کی اقدار و روایات سے کوئی تعلق نہ تھا، ہمارے ملک پر مسلط رہی ہے، جس نے اپنے مفادات کے مطابق نوآبادیاتی دور کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہمارے معاشرہ میں بگاڑ پیدا کیا، ہماری قومی اقدار اور دینی روایات کو تباہ کیا، ظالم قوم مفتوح قوم کے ساتھ اسی طرح کا ظالمانہ سلوک کیا کرتی ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ دشمن قوم تو اپنے مفادات ہی کا کھیل کھیلا کرتی ہے، اب کیا ہم اس کھیل کا حصہ بن کر اپنی دھرتی کی مثبت اقدار کو خود فناء کے گھاٹ اُتارنے کے لئے تیار ہو جائیں؟ اور سامراج کے مفادات کی بنیاد پر پیدا کئے جانے والے منفی رویوں کو قبول کر لیں؟ کیا یہ درست نہیں کہ اس دھرتی پر اپنے اقتدار کے تحفظ کے لئے سامراج نے فرقہ واریت کا بیج بویا، تا کہ ”لڑاؤ اور حکومت کرو“ کی بنیاد پر حکمرانی کی جائے۔ اب کیا ہم اس سامراجی سوچ کو خود اپنا لیں!؟، کہیں اسی کا اثر تو نہیں کہ ہم نے فرقوں کی بنیاد پر پارٹیوں کی تشکیل کا سلسلہ شروع کر دیا، جس ملک میں ہم انسانیت نوازی کا درس دیتے رہے، اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا کرتے رہے، وہاں فرقہ واریت کی اساس پر سیاسی جماعتیں بنانے کا عمل کیوں قبول کر لیا گیا۔ کیا یہ صحیح نہیں کہ نوآبادیاتی دور میں عوامی تقاضوں کو نظر انداز کر کے طبقاتی بنیادوں پر جماعتیں اور ادارے قائم کرنے، اور ان کے ذریعہ سے قومی مفادات کے علی الرغم پالیسیاں مسلط کرنے کا طریقہ اختیار کیا گیا، حالانکہ جماعتیں اور ادارے قومی مفادات کی نگہبانی کے لئے قائم کئے جاتے ہیں، لیکن بنیادی قومی تقاضوں سے انحراف کرتے ہوئے اداروں کی تشکیل مخصوص مفادات کے حصول کے لئے کی گئی، اب بھلا جس دھرتی میں مستحکم اداروں کے ذریعہ قومی مفادات کی حفاظت کی گئی ہو، وہاں سامراجی مفادات کے اسیر اداروں کو قبول کر لیا گیا، جب کہ ان اداروں کا داخلی نظام لوٹ مار اور کرپشن کے گندے تالاب میں لتھڑا ہوا تھا، اور گزشتہ 62 سالوں سے اداروں کے اسی فرسودہ نظام کو ہم نے اپنے سینہ سے لگایا ہوا ہے۔ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ نوآبادیاتی دور میں سامراج نے معاشی اداروں کی تشکیل سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد پر کی، تا کہ سرمایہ اور جاگیر کو تحفظ دے کر اپنے طبقاتی مفادات کی تکمیل کی جا سکے۔ اب بھلا جس دھرتی پر معاشی خوشحالی ایسی ہو کہ اسے یورپ ”سونے کی چڑیا“ کے نام سے پکارے، جہاں بھوک و افلاس کا نام تک نہ ہو، وہاں قحط کا بیج بو دیا جائے، اس ملک میں بھوک و ننگ ناچنے لگے، غربت و افلاس ڈیرے ڈال لے، ”گنج بخش“، ”گنج شکر“ اور ”غریب نواز“ کے دیس میں مخصوص مفادات کا حامل طبقہ سرمایہ اور جاگیر پر قابض ہو کر بیٹھ جائے، اور باقی انسانیت کو مہنگائی اور غربت و افلاس میں مبتلا کر دے۔

خود احتسابی کا عمل اگرچہ بڑا تکلیف دہ ہوتا ہے، کیوں کہ بسا اوقات اس سے اپنے مفادات بھی خطرات کا شکار ہو جاتے ہیں، اور بعض اوقات اپنی ہی جماعت، اپنا ہی فرقہ، اپنے ہی ادارے اور اپنے آپ کو احتساب کے کٹہرے میں لا کھڑا کرنا پڑتا ہے، کہنے کو تو آج خود احتسابی کا نعرہ لگانے والے بہت ہیں، لیکن یہ مخصوص مدت اور مخصوص دائرہ سے احتساب کا آغاز کرنا چاہتے ہیں، اور ان کے خیال میں وہ مدت ایسی ہونی چاہئے، جس میں وہ خود نہ آئیں، کیسی عجیب بات ہے کہ دعوے خود احتسابی کے ہیں، لیکن انہیں ایسے ”احتساب کمیشن“ کی تشکیل چاہئے، جس کے دائرہ میں وہ خود نہ آئیں، یہ وہ منفی رویہ ہے، جو ہمارے تنزل کا باعث ہے۔ آج ہمیں ایک بے لاگ قومی خود احتسابی کے عمل کی ضرورت ہے، اپنے نظام کا احتساب، اپنی جماعتوں کا احتساب، اپنے اداروں کے تشکیلی عمل کا احتساب، ان کے کام کرنے کے انداز کا احتساب، اپنے سماج میں موجود غلامی پر مبنی اقدار کا احتساب، اپنے سیاسی، معاشی، عدالتی اور فوجی اداروں کا احتساب۔ الغرض قومی سطح پر ہمیں ایک مکمل اور ہمہ گیر احتساب کی ضرورت ہے، اور یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ جب تک دنیا قائم ہے، یہ دھرتی قائم رہے گی، ہمیں اور ہماری آنے والی نسلوں کو یہاں رہنا ہے اور اس دھرتی پر موجود اولیاء اللہ کے فیوض و برکات کو بھی جاری رہنا ہے، تو پھر کیوں نہ ہم اپنی نسلوں کو بچانے کے لئے اپنے حالات کا درست تجزیہ کریں اور خود احتسابی کے عمل سے گزریں، آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اولیاء اللہ کے بتلائے ہوئے سچے راستہ کا انتخاب کریں، اور اس بھولے ہوئے سبق کو دوبارہ یاد کریں، ان اقدار و روایات اور اخلاق و کردار کو سامنے رکھیں، جو اس دھرتی کے سچے اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین کی تعلیمات کا حصہ ہیں، ہمیں ان بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے قومی سطح پر منفی رویوں سے نجات حاصل کرنی چاہئے۔ اور دین کی اساس پر مثبت اقدار و اخلاق کو اپنی زندگی کا حصہ بنانے کی شعوری جدو جہد اور کوشش کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے۔ آمین (مدیر اعلیٰ)

www.rahimia.org

خطبہ جمعۃ المبارک

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد صاحب —— ناظم اعلیٰ ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

(مؤرخہ: 8 مئی 2009ء بمقام ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ، لاہور) ضبط و تحریر: مولانا محمد جمیل

دین میں مکمل طور پر داخل ہونے کے بنیادی تقاضے

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم، امّا بعد: قال اللہ تبارک وتعالیٰ:

یا ایھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ و لاتتبعوا خطوات الشیطان انہ لکم عدوّ مبینo صدق اللہ العظیم.

اللہ رب العزت نے مسلمان جماعت پر یہ لازم کیا ہے کہ وہ دین اسلام کی تعلیمات کو مکمل طور پر قبول کرلے، چنانچہ ایمان والوں کو حکم دیا گیا ہے کہ تم مکمل طور پر اسلام میں داخل ہو جاؤ، اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ دین اسلام کی کچھ باتوں پر عمل کرلیا جائے اور کچھ باتوں کو چھوڑ دیا جائے۔ دین اسلام کی تعلیمات انسانیت کے لئے مکمل ضابطۂ حیات ہیں، اس لئے مسلمان جماعت کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ دینی تعلیمات کو اپنی زندگی کا حصہ بنائے اور یہ حکم اس درجہ کا ہے، جس درجہ کا حکم نماز پڑھنے کا ہے۔ مکمل نظام زندگی کیا ہے، اس میں ایک تو نظام عبادات ہے، جس کے ذریعہ سے انسان کا تعلق اور ربط اپنے خالق و مالک کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ اور انسان کے دل و دماغ کے تمام پہلو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق اور محبت کا اعلان کرتے ہیں۔ عبادات کے نظام میں انسان کی روح کے تمام شعبے، خواہ ان کا تعلق انسان کے نفس کے ساتھ ہو، یا قلب اور عقل کے ساتھ ہو، ان کی وابستگی اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو جاتی ہے۔ اس سے انسانی عقل میں دینی شعور و فہم پیدا ہوتا ہے۔ انسانی دل کے امراض ختم ہوتے ہیں، یہ درحقیقت نظام عبادات کے نتائج ہیں، اسی طرح نفس میں خواہشات کنٹرول کرنے کی صلاحیت اور استعداد پیدا ہوتی ہے۔ ایک مسلمان کی زندگی میں اس کی روح کے تمام پہلوؤں کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ جڑ جائے۔ یہی عبدیت کا نتیجہ اور مقصد ہے۔ اسلام میں داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کی عبدیت نقطۂ انتہاء کو پہنچ جائے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کا سچا جذبہ عروج پر پہنچ جائے۔

دین اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں دوسری بات انسانی معاملات اور دوسرے انسانوں کے ساتھ تعلقات ہیں، وہ عدل وانصاف، امن وامان اور معاشی خوشحالی کی اساس پر قائم ہونے چاہئیں۔ انسان کو اپنی سماجی زندگی میں قدم قدم پر دوسرے انسانوں کے ساتھ کوئی معاملہ طے کرنا پڑتا ہے، ان کے ساتھ خرید وفروخت، لین دین اور دیگر سماجی روابط قائم کرنے پڑتے ہیں، اسلام میں داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جتنے بھی سماجی معاہدات ہیں، ان کے اندر انسانی حقوق کی ادائیگی کا نظام قائم کرنا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ سے محبت اور عظمت کا تعلق ہوتا ہے، ایسے ہی انسانیت سے رحمت اور شفقت کا تعلق ہو، انسانیت سے تعلق کی نوعیت خدمت کے جذبہ سے اور ان کے مسائل کو حل کرنے کے جذبہ سے ہو۔ جس طرح انسانی روح کا تعلق عقل، قلب اور نفس کے ساتھ ہے، اسی طرح انسانوں کے تعلق کی نوعیت قومی نظام سے لے کر بین الاقوامی سطح تک ہے، اور خاندانی اور عائلی نظام زندگی سے لے کر ملکی اور بین الاقوامی نظام زندگی تک تعلقات کے بہت سارے پہلو ہیں، پھر ان مختلف پہلوؤں میں بھی تنوع پایا جاتا ہے، مثلاً انسانوں کے درمیان سیاسی تعلقات کی نوعیت کیا ہوگی، اور سیاسی نظام زندگی کیا ہوگا، یہ ایک اہم ترین شعبہ ہے۔ اسی طرح انسانوں کے درمیان معاشی اور اقتصادی نظام کی نوعیت کیا ہوگی، اسی طرح ملکوں اور قوموں کے درمیان سماجی تعلقات کی نوعیت کیا ہوگی۔

جس طرح دین اسلام کی تعلیمات عبادات کے نظام کے نتیجہ میں انسانی روح کے جملہ پہلوؤں میں رہنمائی دیتی ہیں، اسی طرح انسانی زندگی کے ان تمام شعبوں میں بھی رہنمائی دیتی ہیں، جن کا تعلق سیاست، معیشت اور سماجی زندگی کے ساتھ ہے۔ مکمل طور پر اسلام میں داخل ہونے کا مطلب یہی ہے کہ ایک انسان سیاسی، معاشی اور سماجی زندگی میں دین اسلام کی مکمل تعلیمات کو قبول کرے اور وہ طاقتیں جو اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کے راستہ میں رُکاوٹ بنتی ہیں یا انسانوں کے سیاسی، معاشی اور سماجی حوالہ سے درست تعلقات کے راستہ میں رُکاوٹ بنتی ہیں، ان کے خلاف مزاحمت کا جذبہ ہونا چاہئے۔ ان رکاوٹوں کو توڑنا اور راستہ صاف کرنا بھی ضروری ہے۔

اس آیت مبارکہ میں جہاں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اسلام میں مکمل طور پر داخل ہو جائے وہیں دوسرا حکم یہ دیا گیا ہے کہ شیطان کے قدموں کی پیروی مت کرو۔ انسانی زندگی پر جو شیطانی اثرات مرتب ہو جاتے ہیں، ان کو ختم کرنے کی جدوجہد کریں، شیطانی اثرات سے بچنے کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ شیاطین کا تعلق صرف اس مخلوق سے نہیں جو کہ نظر نہیں آتی بلکہ ان کا تعلق انسانی شیاطین کے ساتھ بھی ہے، قرآن حکیم نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کے دشمن شیاطین ہوتے ہیں، اور وہ جنوں اور انسانوں دونوں میں سے ہوتے ہیں، اور پھر وہ انسان جو کہ شیطان کے راستہ پر چلتے ہیں، ان کی سوچ سامراجی ہوتی ہے، انسانیت کے دشمن ہوتے ہیں، ظلم قائم کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں، تو یہ انسان نما شیاطین درحقیقت پوری انسانیت کے دشمن ہیں۔ چونکہ وقت کے نبی اور ان کی جماعت پوری انسانیت کو "شیاطین الجن والانس" انسانی اور جناتی شیاطین دونوں کے حملوں سے بچانا چاہتے ہیں، اور وہ ان کے خلاف مزاحمت کا جذبہ پیدا کرتے ہیں، اس لئے وہ شیاطین نبی اور اس کی جماعت کے دشمن بن جاتے ہیں، اب بھلا سوچئے کہ وہ طاقت جو واضح دشمن ہو، اس سے دوستی قائم کرلینا کہاں کی عقل مندی ہے۔ دشمن کے ساتھ دشمنی کا تعلق تو ہوسکتا ہے، دوستی کا تعلق نہیں ہوسکتا۔ اب انسانیت دشمنی کا نتیجہ کیا ہوتا ہے کہ وہ طاغوتی طاقتیں انسانیت کو بدامنی میں مبتلا کردیتی ہیں، معاشی تنگی میں مبتلا کردیتی ہیں، ان کی عقل ماردینا، ان کو اعلیٰ صلاحیتوں سے محروم کرنا، یہ طاغوتی اثرات و نتائج ہیں۔ جن معاشروں میں شیاطین کے ایسے اثرات ہوتے ہیں، تو اس سے پوری قوم مجموعی طور پر انسانیت کے مقام سے گر جاتی ہے، غلامی اور پستی کی زندگی پیدا ہو جاتی ہے، اب آپ دیکھیں کہ جو طاقت انسانیت کو ان حالتوں میں مبتلا کرتی ہے، وہ انسانیت کی دوست کیسے ہوسکتی ہے، اب دوستی اور دشمنی کا معیار بالکل واضح ہو کر سامنے آگیا کہ جو مجموعی طور پر انسانیت کو ترقی دے، وہ انسانیت کا دوست ہے، اور جو انسانیت کو پستی اور ذلت میں مبتلا کردے وہ انسانیت کا دشمن ہے۔ اس دنیا میں بھوک، ذلت اور غلامی درحقیقت انسانیت کے لئے عذاب ہیں۔

اب اللہ تعالیٰ سے تعلق اور دین اسلام میں مکمل طور پر داخل ہونے کا نتیجہ کیا نکلنا چاہئے کہ انسانیت مجموعی طور پر ترقی کرے، وہ غلامی سے نکل کر آزادی اور معاشی تنگی سے نکل کر خوشحالی کی طرف جائے۔ وہ خوف کے ماحول سے امن کی طرف جائے۔ اب آپ دیکھیں کہ اگر کسی ایک شعبہ میں انتہاء پسندی پیدا ہو جائے اور باقی شعبے نظر انداز کردیئے جائیں تو یہ درست بات نہیں ہے۔ اسلام میں مکمل طور پر داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد جو انسانی زندگی کے لئے ضروری اور لازمی ہیں، ان کا مکمل خیال رکھنا، ان پر پورا عمل کرنا۔ اسی طرح آپ دیکھیں کہ جو جماعت صحابہ کرامؓ حضورؐ نے تیار فرمائی، اس نے انسانیت کے لئے بڑے بلند کارنامے سرانجام دیئے، یعنی ان کو غلامی سے نکال کر آزادی دی، افلاس سے نکال کر خوشحالی دی، اور جس ملک میں بھی دین کو غالب کیا، وہیں پر اس معاشرے کی معیشت، سیاست اور تہذیب دنیا بھر کے لئے ایک نمونہ اور علامت بن گئی، اس لئے حضرت عمرؓ نے حج کے موقع پر اپنے تمام گورنروں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے انسانوں کو کب سے غلام بنانا شروع کیا ہے، حالانکہ ان کی ماؤں نے تو ان کو آزاد جنا ہے۔ گویا کہ انسانوں کی حریت و آزادی کی حفاظت کرنا تم پر لازم ہے۔

اسلام کو مکمل قبول کرنے کا نتیجہ آزادی کا حصول اور سامراجی طاقتوں سے علیحدگی اختیار کرکے اپنے تمام فیصلے خود کرنے کی صلاحیت حاصل کرنا ہونا چاہئے، اور اپنے قومی نظام کے تقاضوں کے مطابق اپنا ملکی نظام بنانے کی صلاحیت پیدا کرنا ہونا چاہئے۔ اسی طرح اسلام میں مکمل داخل ہونے کا نتیجہ معاشی تنگی ختم کرکے معاشی خوشحالی پیدا کرنا، غربت وافلاس کو قبول کرلینا تو اسلام میں مکمل داخل

www.rahimia.org

ہونے کا نتیجہ نہیں ہوسکتا۔ غربت ان معاشروں میں پیدا ہوتی ہے، جہاں دین اسلام کے غلبہ کا نظام ختم ہوگیا اور سرمایہ داری نظام مسلط ہوگیا۔

بڑی بدقسمتی ہے کہ گزشتہ دو، اڑھائی سو سال سے دنیا میں غربت پیدا کرنے کا سبب سرمایہ داری نظام ہے، سرمایہ کی بنیاد پر انسانوں کو غلام بنایا جاتا ہے، اب اس وقت اسلام میں مکمل طور پر داخل ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ نظام جو کہ انسانوں کی آزادی سلب کر رہا ہے، ان کو بدامنی میں مبتلا کر رہا ہے، ان کو طبقات میں تقسیم کر رہا ہے، اس نظام کے خلاف مزاحمت کا جذبہ بیدار کیا جائے، اس مزاحمت کی حکمت عملی بنائی جائے، اس کو ختم کرنے کی جدوجہد کی جائے۔ اس لئے قرآن نے واضح کر دیا کہ شیطان کے نقش قدم پر مت چلو، کتنی بڑی کمزوری ہے کہ ہم انفرادی زندگی میں تو شیطان کی پیروی سے بچنے کی بات کرتے ہیں، لیکن وہ شیطانی سامراج جس نے ہمارے بازار، عدالتوں اور سیاسی ایوانوں میں تسلط حاصل کر رکھا ہے، اس کے خلاف کوئی نظریہ نہیں، کوئی مزاحمت نہیں اور اس سے نجات حاصل کرنے کی کوئی جدوجہد نہیں ہے۔ وہ شیطانی سامراج جس نے دو، اڑھائی سو سال سے انسانیت کو غلام بنا رکھا ہے، اس کے خلاف کوئی نظریہ نہیں ہے، آج ہم کتابیں پڑھ کر قرآن کا انفرادی نقطۂ نظر سے مطالعہ کر کے خیال کر لیتے ہیں کہ شیطان کا مقابلہ ہو جائے گا۔

حضرت عمرؓ جب بازار سے گزرتے ہیں تو شیطان راستہ چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے، یہ حضرت عمرؓ کا رُعب ہے، یہ اسلام میں مکمل داخل ہونے کا نتیجہ ہے۔ جس ایمان سے شیطان کو کوئی خطرہ نہ ہو، وہ کیا نتیجہ پیدا کرے گا، ایمان تو وہ ہوتا ہے، جس سے دشمن پر رُعب پیدا ہو اور دشمن اپنے شیطانی نظام سے باز آجائے۔ آج دنیا کی چھوٹی چھوٹی قومیں اپنے معاشرے میں انقلاب برپا کر کے دنیاوی شیطانوں اور سامراجیوں کو بھگا دیں، لیکن دوسری طرف مسلمانوں کے تقریباً ساٹھ ممالک ہیں کہ یہ تماشا تو دیکھ سکتے ہیں، لیکن سامراج کے خلاف ان کے منہ سے آواز نہیں نکلتی۔ دنیا کے چھوٹے چھوٹے ملکوں نے اپنے ملک سے سامراجی نظام کو توڑ کر اپنا قومی نظام تشکیل دے دیا، ہماری حالت یہ ہے کہ رسمی مذہبی اعمال کرنے میں بڑے تیز ہیں، لیکن قوم غلامی اور افلاس میں مبتلا ہے، اس کو ختم کرنے کا نہ کوئی نظریہ ہے، نہ کوئی جدوجہد ہے، اور کسی مذہبی لیڈر کو یہ توفیق نہیں ہوتی ہے، وہ اس حوالہ سے اپنا کردار ادا کرے، بلکہ مذہب کے ٹھیکیدار معاشرے میں دہشت پیدا کرنے، اور انسانوں کو قتل کرنے کے لئے میدان میں ہیں، کسی لیڈر، رہنما، مولوی اور کسی پیر کو یہ جرأت نہیں ہوتی کہ ان شیطانوں کا مقابلہ کرنے کی درست حکمت عملی بنائیں! کتنی بڑی کمزوری کی بات ہے۔

پچھلے دو سو سال سے قائم حریت پسند جماعت کے سچے خیالات و نظریات کو ایک طرف رکھ کر ایک مذہبی شدت پسند اپنے بے وقوفی پر مبنی خیالات کو اسلام کا لبادہ اُڑھا کر پیش کرتا ہے، اور ہمارا میڈیا اس کو کوریج دیتا ہے، کسی میں ہمت نہیں ہے کہ اس کو لگام دے سکے، کہ اسلام کا جو وہ تعارف پیش کر رہا ہے، اس کا اسلام سے کیا تعلق ہے، وہ خیالات اس کے ذہنی انتشار اور دماغ کی خرابی کی علامت تو ہو سکتے ہیں، اس کا دینی تعلیمات کے ساتھ کیا تعلق ہے، انسانی زندگی کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے، اسلام کے نمائندے ایسے لوگ بن گئے جو کہ شیطانی اثرات کو پیدا کرنے کے لئے اپنا کردار ادا کریں، بدامنی پیدا کرنے کو اسلام کا کارنامہ قرار دیں۔ انسانوں کو قتل کرنے کو اسلام کی نمائندگی قرار دیں۔ معاشرے میں انسانوں کی جلاوطنی کو اسلام کی نمائندگی سے تعبیر کریں، اور جو امن اور خوشحالی کی بات کرے، سماجی ترقی کی بات کرے، اس کو کافر قرار دیتے ہیں، خدا کا خوف نہیں رہا۔

پچھلے سو سال سے وہ علمائے ربانیین، جو کہ قرآنی علوم پر گرفت رکھتے ہیں، حدیث کی تعلیمات پر عبور رکھتے ہیں، انسانی روح کے امراض کو ختم کرنے میں مہارت رکھتے ہیں، قوموں کے سیاسی، معاشی اور اجتماعی امراض کو سمجھتے ہیں اور ان کے علاج کا درست لائحہ عمل رکھتے ہیں، جیسے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، قطب عالم شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ، قطب الارشاد شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ، امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ، مفتیٔ اعظم مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، یہ پوری جماعت گزشتہ سو سال سے آزادیٔ وحریت کی جنگ لڑتی رہی ہے، یہ لوگ امن کے قیام کے لئے قومی جدوجہد کرتے رہے ہیں، تشدد اور دہشت گردی کو ختم کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں، آپ دیکھیں کہ ان حضرات کی سو سال کی تاریخ ہے، اور ایک احمق مذہبی شدت پسند اُٹھ کر یہ کہے کہ جمہوریت اور آزادی کے لئے جدوجہد کرنے والے یہ تمام حضرات غلط تھے اور اس کے مذعومہ خیالات صحیح ہیں، تو یہ اسلام کی کونسی خدمت ہے؟، اسلام تو پوری انسانیت کے لئے امن اور خوشحالی پیدا کرنے کے لئے آیا ہے اور آج اسلام کے نام نہاد نمائندے ہیں کہ وہ معاشرے میں بدامنی اور معاشی تنگی پیدا کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ آپ دیکھیں کہ شیطان کھلا پھرتا ہے، اور اس کے مقابلہ میں کوئی عقل وشعور کی بنیاد پر مزاحمت کا نظریہ نہیں ہے، آزادی وحریت کی بات نہیں ہے۔ آج بڑی ضرورت ہے کہ وہ لوگ جو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں، وہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں اور قرآنی نظام کو جاننے کی کوشش کریں کہ قرآن کا سیاسی، معاشی، معاشرتی نظام کیا ہے۔

آج بڑی ضرورت ہے کہ دین کی تعلیمات کا شعور پیدا کیا جائے، اور اس کے سیاسی، معاشی نظام اور معاشرتی نظام کا شعور پیدا کیا جائے، نظریہ تو کم از کم درست ہونا چاہئے، اگر نظریہ ہی درست نہ ہو تو نتائج کیسے نکلیں گے۔ آج ہم خواہش رکھتے ہیں کہ ہمارے معاشرے میں امن، عدل اور معاشی خوشحالی ہو، لیکن نتائج صرف خواہشات سے نہیں نکلا کرتے، بلکہ نتائج کے لئے صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلنا ہوگا کہ عقل شعور کی بنیاد پر نظریہ اختیار کریں اور پھر اس نظریہ پر گرفت حاصل کریں، اور اس پر اپنی تربیت کی فکر کریں، اور اجتماعی انداز میں سامراجی نظام کا مقابلہ کرنے کی حکمت عملی استقامت کے ساتھ تشکیل دیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم کامیاب نہ ہوں۔ اور سامراجی نظام ختم نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں صحابہ کرام، علمائے حق کے نقش قدم اور ان کے مشن پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

(بقیہ خطاب حضرت اقدس) مسجد کی نسبت یہ ہے کہ جب ان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے پیدا ہو جائے، تو بازار میں عدل وانصاف غالب ہوگا، تو وہ بازار نعمت بن جائے گا، وہ آدمی جو مسجد میں اللہ سے ڈرتا ہے، بازار اور عدالت میں بیٹھ کر بھی اللہ سے ڈرے گا، خدا یاد ہوگا، تو ظلم سے بچنے کی کوشش کرے گا۔ آج بازار کی نسبت یعنی مال کی نسبت غالب ہے، تو ہم لوگ بھاگ دوڑ کی حالت میں مسجد میں آتے ہیں۔

آج ہم دین کا مطالبہ کن لوگوں سے کرتے ہیں، جو انگریز کے نمائندے ہیں، کتنی بڑی حماقت ہے، ہم پاکستان بننے کے بعد کراچی سے کشمیر تک وہ نظام قائم نہیں کر سکے، جس کے ہم داعی ہیں، کیوں کہ ہمارے پاس ایسے افراد ہی نہیں جو اس نظام کو قائم کر سکیں، کتنے افسوس کی بات ہے۔ ساری جماعتیں اپنے اپنے دفتر سے نظام چلانے کے لئے اپنی طاقت بڑھاتی ہیں، لیکن ہم نے مساجد سے نظام چلانے کے لئے کونسے افراد تیار کئے۔ جب تک مسجد میں قرآن کے نظریہ پر جماعت تیار نہیں ہوگی، اس وقت انقلاب نہیں آسکتا۔ اصل طاقت تو نوجوان کی ہے، اور وہ کالج اور یونیورسٹی میں ہے، ان کو تو دشمن اور باطل فرقے استعمال کر رہے ہیں، غلط سیاسی نظام ان کو استعمال کر رہا ہے، ہم ان سے بے فکر ہو گئے کہ یہ تو فاسق وفاجر ہو گیا، اس کو مسجد سے بھگا دو۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ نوجوان کو اپنے قریب کرو، اس کی بات سن کر اس کو مطمئن کرو، تا کہ وہ دشمن کا آلہ کار نہ بنے، دشمن کی طاقت توڑ دو، نوجوان کو نظریہ دو، اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ نصیب فرمائے، اسلام میں فرقے تو قابل برداشت ہیں، لیکن فرقہ واریت قابل برداشت نہیں ہے۔ تم بتاؤ کہ جمہوریت کا دور ہے، اگر نفرت فرقوں کی بنیاد پر قائم کر لیں تو پھر ایک دوسرے کے ووٹ کیسے لے سکیں گے۔ اس لئے آج کے دور میں دین کا درست نظریہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے، تا کہ معاشرے میں انقلاب لا کر معاشرے میں موجود مسائل کو حل کیا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں دین کی سمجھ اور بزرگوں کی اتباع نصیب فرمائے۔ آمین

www.rahimia.org

غلبۂ دین کی نبوی حکمت عملی اور نوجوانوں کی ذمہ داریاں

خطاب حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ

(کہروڑ پکا میں بخاری چوک میں واقع جامع مسجد تالاب والی میں 14 فروری 2009ء بروز ہفتہ کو عشاء کی نماز کے بعد سیرت النبی ﷺ کے حوالے سے ایک بڑے سیمینار کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس سیمینار میں حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ، حضرت مولانا مفتی ڈاکٹر سعید الرحمٰن، حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد، حضرت مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی، حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر نے خطابات فرمائے تھے۔ اس موقع پر مسجد کا وسیع ہال اور اس کا برآمدہ بھی حاضرین سے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ اہل علاقہ نے پوری سنجیدگی اور توجہ سے خطابات سنے اور انہیں بہت زیادہ دینی فائدہ ہوا۔ حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ کا خطاب تقریباً ایک گھنٹہ جاری رہا، ذیل میں یہ خطاب پیش کیا جارہا ہے۔)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد! فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم: ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ و کفی باللہ شھیدا، صدق اللہ العظیم.

میرے قابل احترام حاضرین مجلس! ہمیں آج غفلت سے نکل کر زندگی بسر کرنا ہوگی۔ آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں، اس میں کفر اور ظلم غالب ہے اور ہم مغلوب ہیں۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ہندوستان میں مسلمان بادشاہوں کی حکومت تھی اور فقہ اسلامی پر فیصلے ہوتے تھے، اسی طرح ترکی کی خلافت عثمانیہ بہت بڑے علاقہ پر قائم تھی، فقہ اسلامی پر نظام چل رہا تھا۔ لیکن اس دور میں امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس وقت نظاموں میں انقلاب لانے کی ضرورت ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ دیکھ رہے تھے کہ اس وقت حکمران طبقہ غافل، سست اور نااہل ہو چکا ہے، اور انسانی مسائل کو حل کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ وہ عیش پرست اور خود غرض ہو چکا ہے، آپ فرماتے ہیں کہ اگر حکمرانوں کو دیکھو تو یہ قیصر و کسریٰ کے راستہ پر چل رہے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت نظام اسلامی تھا اور حکمران بھی مسلمان تھے، لیکن وہ صلاحیت سے محروم ہو چکے تھے، اس لئے تبدیلی اور انقلاب کی ضرورت تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی ہے کہ "جب کوئی کام کسی نااہل کے سپرد کر دیا جائے تو اس وقت قیامت کا انتظام کرو"۔

میرے دوستو! آج کیا حال ہے، ہم کتنے سست ہیں، کفر کا غلبہ ہے، آج مسلمانوں کے ساتھ ملک ہیں، مسلمانوں کی اکثریت ہے، لیکن نظام سارا کفر اور ظلم کا ہے۔ آپ خود سوچیں کہ یہ ملک "اسلامی جمہوریہ" ہے اور باسٹھ سال ہو گئے ہیں، لیکن حال یہ ہے کہ یہاں مذہبی طبقہ یتیم نظر آتا ہے، آج مسجد میں 5 فیصد آدمی اور نمازی ہیں، اس میں نوجوان طاقت نہیں رہی اور 95 فیصد مسجد سے باہر ہیں اور 5 فیصد میں بھی سارے فرقے آجاتے ہیں۔ مساجد کا نظریہ آزادی حاصل کرنے، ظلم مٹانے کا اور عدل وانصاف کی سیاست کو غالب کرنے کا تھا۔ لیکن دور غلامی میں انگریز سامراج نے فرقہ واریت کو ہماری عادت بنا دیا اور 5 فیصد طبقہ جو مسجد سے وابستہ ہے، وہ آپس میں لڑتے ہیں اور ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کے فتوے دیتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے غلبہ کے دور میں نظام تعلیم میں کوئی تقسیم نہیں ہے، اسی تعلیم سے قاضی پیدا ہوتے ہیں اور اسی سے سیاستدان پیدا ہوتے ہیں، مذہبی رہنما پیدا ہوتے ہیں، انگریز نے یہاں رہتے ہوئے نظام تعلیم کو تقسیم کر دیا۔ دو نظام تعلیم بنا دیئے، ایک جدید طبقہ کے لئے دوسرا قدیم طبقہ کے لئے، اس تقسیم کے بہت خطرناک نتائج نکلے ہیں۔

جب ایسا نظام قائم ہوتا ہے، جس میں امن اور خوشحالی ہو اور ہر انسان دوسرے انسان کا خیر خواہ ہو، فرمانِ نبویؐ "خیر الناس من ینفع الناس" کا نقشہ ہو اور سیاست عدل کی ہو، پھر انسان روحانی ترقی کرتا ہے، عبادات کا نتیجہ متقی بناتا ہے، پرہیزگار بناتا ہے، جب عبادات نتیجہ پیدا کرتی ہیں تو اس وقت انسان انسان کا خیر خواہ بن جاتا ہے، ظلم مٹانے والا بن جاتا ہے، ہر بری خصلت سے نفرت ہو جاتی ہے۔ لیکن آج حالت یہ ہے کہ ہم دوڑ بھاگ کر آتے ہیں اور 5 منٹ مسجد میں رہتے ہیں، فوری طور پر واپسی کی کوشش کرتے ہیں، اور مسجد میں بھی ہر وقت خطرہ لگا رہتا ہے، تو ایسی حالت میں سکون کے ساتھ نماز کیسے پڑھی جا سکتی ہے!، اس لئے عبادات کے نتائج سے محروم ہیں۔ آج ہم مسجد میں آنے والوں کو فرقہ واریت کے متعلق تو بتا سکتے ہیں، لیکن نظام کے خلاف ان کو ذہن نہیں دے سکتے، کیوں کہ مسجد پر قبضہ ان لوگوں کا ہے، جن کا نظریہ اس ظالمانہ نظام کو تحفظ دینا ہے، آج ہم مسجد کو ووٹ نہیں دے سکتے، کیوں کہ نمازی کی تربیت نہیں کی گئی، طاقت پیدا نہیں کی گئی، حالت تو یہ ہے کہ اگر کسی مسجد میں سیاست کی بات کر دی جائے تو نمازی بے شعوری سے کہتا ہے کہ آپ نے تو دنیا داروں کی بات کر دی۔

مولانا محمد الیاس دہلویؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کی ساری مساجد مسجد نبویؐ کی بیٹیاں ہیں، جب تک تمام مساجد میں مسجد نبوی جیسی سیاست نہیں ہوگی، اس وقت دین ترقی نہیں کر سکتا اور معاشرے میں انقلاب برپا نہیں ہو سکتا۔ مکہ کے لوگ نبوت سے پہلے آپؐ کی تعریفیں کرتے ہیں، لیکن نبوت کے بعد جب آپ نظریہ عدل کا پیش کرتے ہیں، تو سارے آپؐ کے مخالف ہو جاتے ہیں، اور آپؐ کے خلاف الزام تراشیاں شروع کر دیں، لیکن حضورؐ استقامت کے ساتھ اس ظالمانہ نظام کے خلاف اپنی جماعت کو منظم کرتے رہے، تو اس سے معاشرے میں تبدیلی کا عمل پیدا ہو جاتا ہے، اور پھر یہ سارا کام حضورؐ نے انسانیت کے فائدے کے لئے سرانجام دیا، اس لئے جہاں پر آپؐ کو اپنے مخالفین سے لڑنے کی نوبت آتی ہے، تو ہر کسی کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ جو لوگ میدانِ جنگ میں آتے تھے، صرف انہی کو قتل کیا جاتا تھا، اس لئے صحابہ کرام کو یہ ہدایات دی جاتی تھیں کہ جو لوگ اپنے گھروں کے دروازے بند کر لیں، ان کو قتل نہ کیا جائے، عبادت خانوں میں موجود لوگوں کو قتل نہ کیا جائے، عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کیا جائے، فتح مکہ کے موقع پر بھی حضورؐ نے یہی احکام دیئے۔ کچھ لوگ گرفتار کر کے حضورؐ کی خدمت میں پیش کئے گئے تو آپؐ نے ان سے پوچھا کہ آپ لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے، تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے عرب کا قانون ہے کہ جو کسی پر فتح حاصل کر لیتا ہے، تو اس کو قتل کر دیتا ہے، اگر ہم آپ پر فتح حاصل کر لیتے تو ہم آپ کے سپاہیوں کو قتل کر دیتے، اب آپ ہم پر فتح حاصل کر چکے ہیں، لہٰذا آپ ہمیں قتل کر دیں۔ حضورؐ نے ان کا فیصلہ سننے کے بعد ان سے فرمایا کہ جاؤ ہم نے تم کو معاف کر دیا، ہم کوئی شکایت نہیں کرتے، اس وقت تو وہ لوگ چلے گئے، کچھ عرصہ کے بعد آئے اور کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول ہم کو مسلمان بنا لیں، حضورؐ نے پوچھا کہ اس وقت مسلمان کیوں نہیں ہوئے تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر ہم اس وقت مسلمان ہوتے تو ہمارے بارے میں لوگ یہ کہتے کہ یہ لوگ اپنی جان بچانے کے لئے مسلمان ہوئے ہیں، یہ تو منافقت ہوتی۔ دوسری بات جو ہمارے ذہن میں تھی وہ یہ کہ یہ نیا نظام آیا ہے، دیکھیں تو سہی پہلے والے اور اس نئے نظام میں کیا فرق ہے، انہوں نے کہا کہ ہم نے یہ دیکھا کہ آپ کے تیار کردہ لوگ تو ہمارے لئے رحمت کے فرشتے ہیں، انہوں نے ہماری وہ عزت کی اور وہ برتاؤ کیا جو اپنے بھائیوں کے ساتھ نہیں کیا جاتا، ان سے زیادہ سچا عدل وانصاف والا نظام نہیں ہے۔ اس لئے آج ہم مسلمان ہوئے ہیں۔

میرے دوستو! یہ دین پوری انسانیت کا ہے، آج ہم نے عقیدہ کی بنیاد پر دوسروں سے نفرت شروع کر دی، حالانکہ ایک کافر ظالم، اور دوسرا مظلوم ہے، اسی طرح ایک کافر سردار اور دوسرا مزدور ہے، اس مزدور اور مظلوم سے نفرت کرنے کا کیا مطلب ہے، پھر تبلیغ کس کو کرو گے۔ اسلام تو طاغوت اور طاغوتی نظام سے لڑائی کی بات کرتا ہے، تمام انسانوں سے نہیں لڑتا اور عقیدہ کے بنیاد پر نہیں لڑتا۔ ایک دفعہ حضورؐ تشریف لا رہے تھے، مکہ فتح کرنے کے لئے تو ایک آدمی نے صحابہ کرام سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو تو جواب دیا کہ مکہ والوں سے لڑائی کرنے جا رہے ہیں، تو اس نے کہا کہ وہ تو متوسط معیشت کے مالک لوگ ہیں، تجارت کرتے ہیں، مال غنیمت میں آپ کو کیا ملے گا اور نہ ہی جنگ میں خوبصورت عورتیں ملیں گی۔ میں تم کو ایک سردار کا پتہ بتاتا ہوں کہ اگر تم اس پر فتح کرو گے تو بہت سارا مال غنیمت اور خوبصورت عورتیں مال غنیمت میں ملیں گی۔ حضورؐ نے پوچھا کہ یہ آدمی کیا کہہ رہا تھا؟ جب بتایا گیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس بے چارے کو پتہ نہیں کہ ہماری جنگ کا مقصد تو مال حاصل کرنا نہیں ہے،

www.rahimia.org

ہمارا مقصد تو ظلم مٹا کر عدل کو قائم کرنا ہے، ظالمانہ سسٹم کو توڑنا ہے اور جس سردار اور قبیلہ کی یہ بات کر رہا ہے، تو مجھے اللہ تعالیٰ نے اس سے جنگ کرنے سے منع کر دیا ہے، حالانکہ وہ کافر ہے، کیوں کہ اس سردار اور قبیلہ کا نظام اچھا ہے، خیر خواہ ہے، غریبوں کی مدد کرتا ہے، طبقاتی نظام نہیں ہے، اور یہ کام اللہ کو پسند ہیں۔ اور یہ مکہ میں آپ کا خاندان ہے، جس سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔

میرے دوستو! اللہ کو تو ہر وہ کافر بھی پسند ہے، جو کہ ظلم کو مٹاتا ہو، غریبوں کی مدد کرتا ہو، ہاں آخرت میں اس کے غلط عقیدے کے وجہ سے اس کو عذاب دے گا، لیکن دنیا میں فطرت کے تقاضے سے جو کافر بھی عدل کا انقلاب لائے گا، اللہ اس کی مدد کرے گا۔ آپ دیکھتے نہیں کہ ہم عذاب میں مبتلا ہیں، غربت، بدامنی، خوف کے عذاب ہیں، کتنے عذاب ہم پر مسلط ہیں، اللہ کی مدد کیوں نہیں آتی، ہم کیوں غلام ہیں، اور دوسری طرف کافر معاشروں میں انقلاب آ رہے ہیں، کیا وہ اللہ کی مدد کے بغیر آ رہے ہیں۔ ہمارے سامنے ہے کہ انہوں نے انقلاب کے بعد ترقی حاصل کی اور عزت حاصل کی، مثلاً چائنہ کا ملک ہے، جس پر ہم فتوے لگاتے رہے، وہ پہلے سے کافر ہیں، ہم سے بعد میں آزاد ہوئے، ان کے رہنماء سچے تھے، قربانی دی، جنگ لڑی، اپنی قوم کے خیر خواہ تھے، آج دنیا میں ان کی عزت ہو رہی ہے۔

آج ہمارا حال یہ ہے کہ نظام تعلیم کے ذریعہ سے ہمارے نوجوانوں کو بے دین، مادیت پرست اور بے شعور بنایا جاتا ہے، ہمارے نوجوان کو عیاش بنایا جاتا ہے، ان پر کوئی اسلام اثر نہیں کرتا، کوئی وعظ اثر نہیں کرتا، ہمارا نوجوان لارڈ میکالے کے نظام تعلیم کے ذریعہ سے 100 فیصد مسجد سے، مولوی اور قرآن کے پروگرام سے دور ہو جاتا ہے، ہم مسجد والے، مدرسوں والے، پیر صاحب اور دیگر جماعتیں مل کر 5 فیصد لوگوں کو بھی واپس دین کے قریب نہیں لا سکتے۔ ذرا سوچو! کتنا بڑا المیہ ہے کہ مسلمان ملک میں مسلمان اولاد کو اسلام کے قریب لانا ممکن نہیں ہے۔ ہم نے حضورؐ کی حکمت عملی، اسوۂ حسنہ اور علماء ربانیین کی حکمت عملی کو چھوڑ دیا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہماری مساجد نوجوان سے خالی ہیں۔

میرے دوستو! جہاں پر نظام ظلم غالب ہو، وہاں اصلاح کا نظریہ کیسے چل سکتا ہے، کتنی غلط بات ہے، دین تو انقلاب کا نظریہ پیش کرتا ہے۔ آپ دیکھیں کہ حضورؐ نے حجاز میں ابتداء کے اندر پندرہ سال میں 313 آدمی تیار کئے اور ۸ھ میں مکہ فتح ہوا اور اس کے دو سال بعد پورا حجاز مسلمان ہو جاتا ہے، عدل کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ حضورؐ کی حکمت عملی دیکھیں کہ آپ کے پاس 300 آدمی ہیں اور مدینہ منورہ کے قبائل 10 ہزار آدمی ہیں اور 10 ہزار آدمیوں کو سیاسی معاہدے میثاق مدینہ میں شامل کر لیا کہ آپ نے مکہ کے لوگوں کا ساتھ نہیں دینا، ظالم لوگوں کا ساتھ نہیں دینا اور ہم تمہارے مذہب، عقیدہ اور فرقوں میں مداخلت نہیں کرتے۔ دیکھیں! آپؐ نے کیسی حکمت عملی اختیار فرمائی کہ بغاوتوں اور دوسری شرارتوں کے سارے راستے ختم کر دیئے، تو گویا کہ دین کے غلبہ کے بعد اسلام بڑی تیزی سے پھیلتا ہے، ہندوستان میں دیکھیں کہ دین کا نظام غالب ہے اور خوجہ معین الدین اجمیریؒ آتے ہیں اور ان کے ہاتھ پر ہزاروں لوگ مسلمان ہو جاتے ہیں، بابا فریدؒ آتے ہیں تو ہزاروں خاندان مسلمان ہو جاتے ہیں۔

آج حالت یہ ہے کہ مسلمان اس نظام میں مسلمان نہیں رہ سکتا، حالانکہ 95 فیصد لوگ بھی مسلمان اور حکمران بھی مسلمان ہیں، تو فرق کیا ہے، سوچنے کی ضرورت ہے۔ ہم کیسے مسلمان ہیں، کہ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور ہماری اولادیں جہنم میں جانے والی بن رہی ہیں، ایسی حالت میں ہم کیسے مطمئن ہیں، آج ہم ان کی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے ان کے لئے محلات بناتے ہیں، گاڑیاں دیتے ہیں، یورپ میں بھیج کر اعلیٰ تعلیم دلاتے ہیں، لیکن مرنے کے بعد جب قبر میں ڈال کر آتے ہیں تو پتہ نہیں چلتا ہے کہ ان کو کونسی جگہ ملے گی جنت کی یا جہنم کی، سوچو!۔ اللہ تعالیٰ والدین کے دل میں یہ جذبہ پیدا کرے کہ وہ اپنی اولاد کے اخلاق کی درست تربیت کرے۔ ورنہ پکڑ ہوگی، جو والدین درست تربیت کریں گے، ان کو جنت اور عرش کا سایہ ملے گا۔ اللہ کا حکم سمجھ کر اپنی بیوی، اولاد، والدین اور اہل محلّہ کے حقوق ادا کرنے سے تو جنت ملتی ہے، یہ دنیا نہیں ہے، آپ صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ عبادات روحانی ترقی کے لئے ہیں، اور مادی چیزوں کا تعلق انسان کے نظام حیات کے ساتھ ہے، اس زندگی تک محدود ہیں، مرنے کے بعد ان سے تعلق ختم ہو جاتا ہے۔ دنیا میں آپ انسانوں کے حقوق توڑیں گے تو اللہ کا عذاب آئے گا۔ بددیانتی کریں گے تو اللہ کا عذاب آئے گا، ہر وہ عمل جس سے انسانی معاشرے کو نقصان ہوتا ہو وہ حرام ہے۔ حضورؐ کافر کے لئے رحمت کیسے ہیں، یعنی آپ ایسا نظام نافذ کریں گے، جس سے اس کافر کے مسائل حل ہوں گے، اس کی پریشانیاں ختم ہوں گی، اس کو امن دیں گے، اس کو کاروبار کے مواقع دیں گے، اس کو خوشحال بنائیں گے۔ اور اس معاشرے کے اندر برے اخلاق نہیں ہوں گے، اگر معاشرے میں دین غالب ہو، تمام لوگ ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوں تو انسان بہت سارے گناہوں سے بچ جاتا ہے، اب صرف عقیدہ کا مسئلہ رہ گیا اور اس کا معاملہ خدا اور اس کی مخلوق جانے۔ دین کا انقلاب پوری انسانیت کے لئے رحمت ہے۔

دیکھیں! کہ ہر قوم اپنے بارہ میں اور اپنے ملک کے بارہ میں سوچتی ہے، لیکن نبی اور آپؐ کی جماعت پوری انسانیت کے بارہ میں سوچتی ہے، ہم محبت کو اپنی اولاد اور خاندان کے ساتھ مخصوص کر کے ختم کر دیتے ہیں، جب کہ حضورؐ اس محبت کو پوری انسانیت تک پھیلا دیتے ہیں، اسی طرح ہر ملک کی حکومت اپنے ملک کے بارہ میں سوچتی ہے، لیکن نبی کی جماعت پوری انسانیت کی سوچ رکھتی ہے، انسانیت کو لوٹتی نہیں، جیسے ہندوستان پر آٹھ سو سال مسلمان کی حکومت ہے تو یہاں کے سارے وسائل، یہاں کی اقوام پر خرچ ہوتے ہیں، یہاں اولیاء اللہ آئے تو یہاں کے لوگوں کو اپنی قوم سمجھ کر ان کی ہدایت کی بات کی۔ اس کے مقابلہ میں یہاں انگریز غالب آئے تو انہوں نے یہاں کی قوم اور ان کے وسائل کو لوٹا، ان کو بھوکا بنایا، غربت پیدا کی، قحط پیدا کیا۔ یہ تو انسانیت کا دین ہے، ہمارے ہاں ایک مسلمان کے لئے تو یہ تبلیغ ہوگی کہ اس کو نمازی بنا دیں گے، ایک کافر کے لئے ہمارے پاس کیا تبلیغ ہے، وہ یہ کہ ہم اس کو ظلم سے نجات دلائیں گے، جاگیرداروں سے نجات دلائیں گے۔ مزدور کو یہ کہیں گے کہ سرمایہ دار جو آپ پر ظلم کرتا ہے، اور 12,12 گھنٹے کام لیتا ہے، ہم یہ ظلم ختم کریں گے، یہ دعوت ہوئی، آج تو دنیا میں نظاموں کی دعوت ہے، عقیدہ کی جنگ کہاں ہے۔ جس مذہب نے دنیا میں گیارہ سو سال تک حکومت کی ہو، آج دنیا میں کسی جگہ اس کا مکمل نظام موجود نہیں، کتنی بڑی کمزوری ہے اور جس کا نظام موجود نہیں ہوتا تو اس کی دعوت بھی نہیں چلتی۔

جب حضورؐ تشریف لائے تو دنیا ایران اور روم دو سامراجی طاقتوں کی غلام تھی، تو صحابہ کرامؓ نے مظلوم عیسائی، مظلوم یہودی اور مظلوم مجوسی کی جنگ لڑی، ان کو ان کی اپنی ظالم حکومتوں سے آزاد کرایا۔ ایک صحابی کی قربانی ہزاروں اولیاء اللہ کی قربانی سے زیادہ قیمتی ہے، کوئی صحابی سے بڑا ہو سکتا ہے! حضرت ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم قربانی کے لئے جا رہے ہیں، اور ساتھ ان کے نبی بھی قربانی کے لئے تشریف لے کر جا رہے ہیں، آج ہمارا کتنا تقدس بن گیا کہ ہمارا کوئی نظریہ ہی نہیں ہے، دعویٰ یہ ہے کہ صحابہ کے نقش قدم پر چلتے ہیں، لیکن ان کا نظام مٹا رہے ہیں، کوئی احساس ہی نہیں ہے۔

جو قوم غافل ہوتی ہے، وہ عمل نہیں کرتی، آج کے دور میں اصلاح کا نظریہ نہیں چل سکتا۔ نظام ہوگا تو حکمت عملی بنے گی کہ کیسے نوجوانوں کو دین کے قریب لانا ہے، اگر نظام نہیں ہوگا تو پھر کام ممکن نہیں ہوگا۔ جب کفر غالب ہو تو اس وقت غلبۂ دین کا نظریہ ضروری ہوتا ہے، اور پھر اصلاح ہوتی ہے، مسجد نبویؐ کے بارہ میں سوچو کہ وہ خلیفۂ وقت کا مرکز ہے، فوج کا ہیڈ کوارٹر ہے، تعلیمی یونیورسٹی ہے، اخلاق سکھانے کی خانقاہ ہے، وظیفہ دینے کے لئے بیت المال ہے۔ آج کے دور میں مسجد میں فرقہ واریت کے علاوہ کیا رکھا ہے، کتنا بڑا ظلم ہے، آج ہم نے فرقوں کی مسجدیں بنا لیں، حالانکہ مسجد تو عدل وانصاف کے قیام اور اللہ سے تعلق کے لئے ہوتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جب بازار کی نسبت غالب ہوگی تو مسجد کی نسبت مغلوب ہو جائے گی۔

بقیہ صفحہ 5 پر

حضرت اقدس رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ کا دورۂ مری اور راولپنڈی

رپورٹ: عامر علی شاہ

حضرت اقدس رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ کی ناسازئ طبع کی وجہ سے کافی عرصہ سے راولپنڈی اور گردو نواح کا سفر نہیں ہوا تھا۔ اس لئے راولپنڈی کے احباب کے بڑے تقاضے پر حضرت اقدس مدظلہ العالی نے پنڈی کے سفر کا ارادہ فرمالیا، چنانچہ طے یہ کیا گیا کہ گرمی اور حبس کے اس موسم میں پنڈی کی بجائے مری میں قیام رکھا جائے اور گردونواح کے احباب مری میں آکر حضرت اقدس مدظلہ العالی سے استفادہ کریں۔ چنانچہ پروگرام طے ہوگیا، اور 2 اگست 2009ء کو جناب جاوید حمید صاحب حضرت اقدس مدظلہ العالی کو اپنی گاڑی میں لے جانے کے لے راولپنڈی سے لاہور تشریف لائے، چنانچہ 3 اگست کی صبح کو اس سفر کا آغاز ہوا، آپ کے ہمراہ ناظم اعلیٰ ادارہ مفتی عبدالخالق آزاد صاحب اور مفتی عبدالقدیر صاحب بھی تھے، تقریباً 11 بجے حضرت اقدس راولپنڈی پہنچے۔ دوپہر جاوید حمید صاحب کے مکان پر کھانے کے بعد آرام کیا، نماز ظہر کے بعد احباب ملاقات کے لئے تشریف لے آئے، اور نماز عصر کے بعد ان کے مکان پر "درسِ قرآن حکیم کی تکمیل کی تقریب" تھی، گزشتہ کئی سالوں سے جاوید صاحب کے مکان پر حضرت رائے پوری کے مجاز حضرت مولانا تاج افسر صاحب ایک ترتیب کے ساتھ قرآن حکیم کا درس دے رہے تھے۔ اور آج اس کی تکمیل ہورہی تھی۔ چنانچہ اس موقع پر پہلے حضرت مولانا تاج افسر صاحب نے ابتدائی خطاب فرمایا، ان کے بعد ناظم اعلیٰ ادارہ مفتی عبدالخالق آزاد صاحب نے آخری سورتوں (سورۃ الفلق والناس) پر درس دیا، اور قرآن کی عظمت بیان کرکے درسِ قرآن حکیم کی تکمیل کی۔ حضرت اقدس مدظلہٗ العالی نے تمام حاضرین، مردوخواتین کے لئے دعا فرمائی۔ اس طرح اس مبارک تقریب کا اختتام ہوا، مغرب کی نماز کے بعد مجلس ذکر کا اہتمام تھا، تمام احباب اور متعلقین نے اس میں شرکت کی۔ اس کے بعد مفتی عبدالخالق آزاد صاحب سے احباب نے سوال وجواب کی نشست کی۔ جس میں دینی مسائل، ملکی حالات اور دینی فہم وشعور سے متعلق سوالات کے جوابات دیئے گئے۔ حضرت اقدس مدظلہ العالی کی دعا وتوجہات سے یہ مجلس مکمل ہوئی۔ 4 اگست کی صبح کو مری کے لئے روانگی تھی، راستہ میں "بارہ کہو" کے ایک دوست محمد عمیر کیانی کے گھر ان کے والدگرامی کی المناک وفات پر حضرت اقدس مدظلہ العالی نے تعزیت کی۔ اور ان کے خاندان کے لوگوں کے لئے دعاء فرمائی۔ پھر "بارہ کہو" میں ہی میاں محمد جاوید صاحب کے مکان پر ناشتہ کیا، اور کچھ دیر قیام فرمایا۔ ان کے اہل خانہ کے لئے دعا کی، اور پھر مری کے لئے روانگی ہوئی۔ اس طرح مری کے پرفضا مقام پر نماز ظہر کے قریب حضرت اقدس مدظلہ العالی کی تشریف آوری ہوئی، حضرت کے ہمراہ مفتی عبدالخالق آزاد، مفتی عبدالقدیر، مولانا تاج افسر، مولانا عبدالرحمٰن صاحبان بھی تھے، جہاں مقامی احباب نے حضرت اقدس مدظلہ العالی اور آپ کے احباب کا استقبال کیا۔ مری میں ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ کے فاضل جناب مولوی محمد عمر عباسی نے اپنا نیا بنایا ہوا مکان حضرت اقدس مدظلہ العالی کے قیام کے لئے خالی کردیا تھا، چنانچہ ایک ہفتہ تک حضرت اقدس مدظلہ العالی کا قیام ان کے مکان پر مری کے محلہ "مسیاڑی" میں رہا۔ جہاں ان کے دیگر برادران، خاص طور پر جناب محمد عامر عباسی نے بڑی خدمت کی۔ مری پہنچ کر نماز ظہر کے بعد حضرت نے آرام فرمایا، اور عصر کے بعد مقامی احباب ملاقات واستفادہ کے لئے تشریف لائے، نماز مغرب کے بعد مجلس ذکر ہوئی، جس میں کافی احباب نے شرکت کی۔ اس کے بعد ذکر اللہ کی اہمیت پر گفتگو ہوئی۔ 5 اگست بروز بدھ کو راولپنڈی شہر سے احباب حضرت اقدس مدظلہ العالی سے ملاقات و استفادہ کے لئے تشریف لائے۔ صبح 10 بجے سے شام تک کافی احباب اور سلسلہ کے متعلقین آئے۔ اور حضرت اقدس مدظلہ العالی اور مفتی عبدالخالق آزاد سے بھرپور استفادہ کیا۔ دینی موضوعات پر سوالات وجوابات، درس و استفادہ کا سلسلہ جاری رہا۔ مغرب کے بعد حسب معمول مجلس ذکر ہوئی۔ اور اس کی اہمیت پر ان دوستوں سے گفتگو ہوئی۔ 6 اگست کو اسلام آباد شہر سے کافی تعداد میں احباب تشریف لائے اور حسب معمول استفادہ کا سلسلہ جاری رہا، اس روز مجلس ذکر میں لارنس کالج کے پروفیسر جناب حافظ محمد ظفر حیات صاحب مجاز حضرت اقدس رائے پوری تشریف لائے۔ اور بعد میں دیر تک استفادہ نشست میں تشریف فرما رہے۔ 7 اگست بروز جمعہ کو دینہ، جہلم، گوجرخان، میرپور آزاد کشمیر وگردونواح سے کافی تعداد میں نوجوان احباب اور متعلقین حضرت اقدس سے ملاقات و استفادہ کے لئے تشریف لائے۔ ان حضرات کی مفتی عبدالخالق آزاد اور مفتی عبدالقدیر صاحبان کے ساتھ دینی موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ نماز جمعہ میں بھی تمام احباب نے شرکت کی، نماز مغرب کے بعد مجلس ذکر میں احباب نے شرکت کی۔ 8 اگست بروز ہفتہ کو اٹک، حضرو، حسن ابدال، واہ کینٹ اور گردونواح کے احباب تشریف لائے، اور حضرت اقدس مدظلہ العالی سے خوب استفادہ کیا، مختلف نشستوں میں مفتی عبدالخالق آزاد صاحب سے احباب نے استفادہ کیا۔ اس موقع پر حسن ابدال سے حضرت مولانا قاضی محمد یوسف صاحب مجاز حضرت اقدس رائے پوری بھی تشریف لائے اور تین دن حضرت اقدس مدظلہ العالی کے ساتھ قیام فرمایا۔ 9 اگست کو علاقہ بھر کے لوگوں کے لئے ایک عمومی دعوتی سیمینار کا اہتمام کیا گیا تھا، جس میں شمالی پنجاب کے اکثر احباب تشریف لائے۔ اور مری وگردونواح کے احباب نے بھرپور شرکت کی۔ اس سیمینار میں مفتی عبدالخالق آزاد صاحب نے "جدوجہد آزادی میں علمائے حق کا کردار" کے موضوع پر تقریباً ایک، ڈیڑھ گھنٹہ خطاب فرمایا۔ اور تفصیل سے قوموں کے لئے آزادی کی اہمیت، برصغیر پاک وہند کی آزادی کے لئے چلنے والی تحریکات اور ان میں علمائے حق کے کردار کی وضاحت کی۔ سیمینار ہال اور برآمدہ حاضرین سے بھرا ہوا تھا، آخر میں حضرت اقدس رائے پوری مدظلہ العالی نے نصائح فرمائیں، اور دعا فرمائی۔ اس موقع پر حضرت کے متعلقین واحباب خاص طور پر سید خالد ریاض بخاری، شہزاد احمد شاہ، مرزا محمد رمضان، شیخ افتخار احمد، مولانا بدرعالم مہتمم جامعہ امینیہ راولپنڈی سے اور مولانا فاروق حسین صابر راولاکوٹ سے حضرت اقدس سے ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ نماز مغرب کے بعد مجلس ذکر میں شمولیت کی۔ 10 اگست بروز سوموار کو راولپنڈی، اسلام آباد میں موجود یونیورسٹیز سے اساتذہ اور طلباء ملاقات واستفادہ کے لئے تشریف لائے۔ صبح 10 بجے سے نماز ظہر تک ان احباب سے استفادہ نشست چلتی رہی، اور نماز ظہر اور کھانے کے بعد لارنس کالج میں جناب حافظ محمد ظفر حیات کے مکان پر قیام کے لئے حضرت اقدس تشریف لے گئے، راستہ میں "سنی بنک" میں ایک دوست جناب محمد اشرف صاحب کے نئے بنے ہوئے اپارٹمنٹس کا افتتاح کیا اور دعا فرمائی، اور نماز عصر بھی یہاں ادا فرمائی۔ نماز عصر کے بعد لارنس کالج تشریف لائے تو جناب ظفر حیات صاحب کے صاحبزادگان اور مولانا عبدالماجد صاحب نے استقبال کیا۔ نماز مغرب کے بعد مکان پر ہی مجلس ذکر منعقد ہوئی۔ جس میں کالج کے احباب نے شرکت کی۔ کھانے کے بعد عشاء سے فارغ ہوکر آرام کیا۔ پروفیسر ظفر حیات صاحب کے صاحبزادے جناب محمد خالد صاحب نے بڑی خدمت کی۔ 11 اگست کی صبح کو مری سے واپسی ہوئی، اور راستہ میں بارہ کہو میں جناب محمد جمیل میمن اور ان کے صاحبزادہ عزیز جمیل میمن کے پُرزور اصرار پر ان کے گھر پر ناشتہ کیا، یہاں بھی کافی تعداد میں اس علاقہ کے احباب اور متعلقین سلسلہ جمع تھے، انہوں نے حضرت سے استفادہ کیا۔ یہاں سے روانہ ہوکر سیٹلائٹ ٹاؤن میں جناب ممتاز الحسن نے ایک سکول قائم کیا ہوا ہے، اس میں حضرت اقدس تشریف لے گئے۔ اس موقع پر مفتی عبدالخالق آزاد نے تعلیم کی اہمیت، اساتذۂ کرام اور طلباء کے تعلیمی رویوں پر گفتگو کی۔ بعد میں حضرت اقدس مدظلہ العالی نے نصائح فرمائیں۔ اور دعاء سے اس پروگرام کا اختتام ہوا، اس موقع پر جناب سید سیف الاسلام خالد بھی تشریف فرما تھے، اس کے بعد شیخ افتخار احمد صاحب کے مکان پر تشریف آوری ہوئی، ان کے بھائی شیخ شہزاد احمد صاحب حضرت اقدس مدظلہ العالی کو لینے کے لئے گزشتہ ایک روز سے مری آئے ہوئے تھے، ان کی گاڑی میں حضرت مری سے پنڈی تشریف لائے۔ اسی روز ملتان سے صدر ادارہ مفتی سعیدالرحمٰن بھی تشریف لائے۔ نماز مغرب کے بعد مجلس ذکر شیخ صاحب کے مکان پر ہوئی۔ اس موقع پر بلال پلازہ چاندنی چوک کی بالائی منزل پر درسِ قرآن کا اہتمام تھا، جس میں مفتی عبدالخالق آزاد نے سورۃ الم نشرح کی تفسیر بیان کی۔ عشاء کی نماز کے بعد شیخ افتخار احمد کے بیٹے کے عقیقہ کی تقریب تھی، جس میں احباب نے شرکت کی۔ اس موقع پر مفتی مختار حسن صاحب بھی نوشہرہ سے تشریف لائے۔ 12 اگست بروز بدھ کو صبح کا ناشتہ مدرسہ دارالقرآن میں مولانا تاج افسر صاحب کے ہاں تھا، انہوں نے کافی احباب کو بلایا ہوا تھا، ان سے ملاقات ہوئی، ناشتہ کے بعد حضرت اقدس مدظلہ العالی نے دعاء فرمائی اور پھر لاہور کے لئے روانگی ہوئی۔ شیخ شہزاد احمد، ان کے بھائی شیخ فرید احمد اپنی گاڑی میں حضرت کو لاہور چھوڑنے کے لئے آئے۔ ان کے ہمراہ مولانا بدرعالم صاحب بھی تھے۔ یوں یہ دس روزہ دورہ اپنے اختتام کو پہنچا۔

www.rahimia.org